برطانوی انتخابات اور ہمارا عمران خان

تحریر: سہیل احمد لون

برطانیہ میں عام انتخابات ایک مرتبہ پھر کنزرویٹو پارٹی کی بھرپور کامیابی پر اختتام پزیر ہوئے۔حیران کن طور پر تمام تجزیات اور سروے رپورٹس غلط ثابت ہوئیں، ڈیوڈ کیمرون کی کسی بھی سیاسی جماعت سے ملکر حکومت بنانے کی نوبت نہیں آئی۔انتخابی نتائج کے اعلان کے بعد ڈیوڈ کیمرون ملکہ سے آشری باد لینے کی رسم پوری کرنے کے بعد اپنی کابینہ دوبارہ تشکیل دینے میں مصروف ہوگئے ہیں۔ مادر جمہوریت برطانیہ کے حالیہ انتخابات میں 22ایشین بھی عوام نے منتخب کئے ہیں جن میں اکثریت خواتین کی ہے،13لیبر پارٹی،8 کنزرویٹو،اور 1 سکاٹش نیشنل پارٹی کے پلیٹ فارم سے انتخابات جیتنے میں کامیاب ہوئے،ان میں اکثریت پاکستانی اور کشمیری نژاد ہیں۔650 کے ایوان میں کوئی اقلیتی سیٹ پر منتخب ہوکر نہیں آیا،ووٹ دینے والوں کو بھی برطانوی شہریت کا حامل ہونا ضروری نہیں ۔2015ء کے انتخابات میں خواتین کی ریکارڈ تعداد 191 ممبر آف پارلیمنٹ منتخب ہوئیں ہیں جو تناسب کے اعتبار سے 29فیصد بنتی ہے۔لبرل ڈیمو کریٹس جو سابقہ حکومت کا حصہ تھی،صرف 8 سیٹیں جیتنے میں کامیاب ہوسکی۔گزشتہ حکومت میں جب ٹیوشن فیس بڑھانے کی وجہ سے کافی احتجاجی مظاہرے ہوئے اس وقت اگر لبرل ڈیموکریٹس حکومت سے باہر نکل آتی تو ان کا وہ اقدام حالیہ انتخابات میں کیش ہوسکتا تھا مگر کنزریٹو نے اپنے تجربے سے ان کا بڑی چالاکی سے استعمال کیا اور لبرل ڈیموکریٹس کا زیادہ ووٹ کنزویٹو پارٹی کی جھولی میں گیا۔ڈیوڈ کیمرون کو بہت سخت اور حقیقی اپوزیشن کا سامنا ہے۔لیبر پارٹی اور SNP مل کر موجودہ حکومت کو ٹف ٹائم دیں گے۔سکاٹ لینڈ کی 59میں سے 56 سیٹیں سکاٹس نیشنل پارٹی کا جیتنا بھی موجودہ حکومت کے لیے ایک ٹیسٹ ہوگا۔سکاٹش ریفرنڈم سے قبل کیمرون نے Devolution کی گولی دیکر سکاٹ لینڈ علیحدہ ہونے سے بڑی مشکل بچایا تھا مگر موجودہ نتائج کے بعد کیمرون کو حقیقی معنوں میں سکاٹ لینڈ کو اس کا حق دینا پڑے گا ورنہ آئندہ ریفرنڈم کا نتیجہ پہلے سے مختلف ہوگا۔یورپی یونین میں رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ بھی ایک سخت امتحان ہوگا۔گزشتہ انتخابات میں لبرل ڈیموکریٹس کو 57 سیٹیں ملیں مگر انکے ووٹ کی شرح کافی بہتر تھی۔وہ مخلوط حکومت کا حصہ اس لیے بنے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ وہ ایسا بل منظور کروانے میں کامیاب ہوجائیں گے جس سے Proporional representaion یعنی سیاسی جماعتوں کے ووٹوں کی شرح کے لحاظ سے ممبرز آف پارلیمنٹ کی تعداد کا تعین کیا جائے مگر ایسی صورت میں لیبر پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی کو مستقبل میں نقصان ہوتا۔اگر ووٹوں کی شرح کے تناسب سے نمائندگی کا حق دیا جائے تو اس وقت UKIP اور گرین پارٹی کے ممبرز زیادہ ہوتے۔

صبح 7 سے رات 10 بجے تک پولنگ ٹائم تھا۔ملک میں تمام کام اپنے معمول کے ساتھ رواں دواں تھے،عام تعطیل دینے کی بجائے کام کرنے کو ترجیح دی گئی۔کسی پولنگ سٹیشن پر قطار نظر نہیں آئی،پولنگ سٹیشن کے باہر سیاسی جماعتوں کے سپورٹرز اپنے اپنے فرائض انجام دے

رہے تھے، کسی جگہ نا خوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، کوئی پولنگ سٹیشن حساس قرار نہیں دیا گیا، سیاسی ورکرز لوگوں کے گھروں پر دستک دیکر ان کو ووٹ ڈالنے کی التجاء کرتے مگر کہیں بھی کوئی ایسی گاڑی نظر نہیں آئی جس میں لوگوں کو بٹھا کر پولنگ سٹیشن لیجانے کی شوبازی کی گئی ہو۔ ایک کثیر تعداد نے انتخابات سے ایک ہفتہ قبل ہی ڈاک کے ذریعے ووٹ ڈال دیے تھے۔ پولنگ سٹیشن پر ووٹ ڈالتے وقت کسی سے شناختی کارڈ نہیں پوچھا گیا کیونکہ برطانیہ میں قومی شناختی کارڈ بنانے کا رواج ابھی تک قائم نہیں ہوا۔ کسی کو کہیں انگوٹھا لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی لہذا مقناطیسی یا غیر مقناطیسی سیاہی کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔ اگر کوئی اپنا پولنگ کارڈ ساتھ نہیں لایا تو پولنگ سٹیشن پر موجود عملے کو صرف اپنے گھر کا نمبر اور سڑک یا گلی کا نام بتانے پر اس کو ووٹ ڈالنے کے لیے بوتھ میں بھیج دیا جاتا تھا جہاں کچی پنسل سے کراس کا نشان لگا کر ووٹ ڈال دیا جاتا تھا۔ چند گھنٹوں میں ووٹوں کی گنتی مکمل ہونے کے بعد متعلقہ ریٹرننگ آفیسر نتائج کا اعلان تمام امیدواروں اور ان کے حمایتوں کی موجودگی میں کیا تو ہارنے والے نے جیتنے والے کو مبارک باد دی۔ جیتنے اور ہارنے والے امیدواروں نے اپنے اپنے سیاسی ورکرز اور حمایتوں کا ان کی سپورٹ کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ لیبر پارٹی، UKIP، لبرل ڈیموکریٹس کے قائدین نے انتخابی نتائج فوری تسلیم کیے اور ہارنے کے بعد فوری پارٹی کی قیادت سے استعفی دے دیا۔ دھاندلی کے تصور سے بے نیاز تمام سیاسی جماعتیں ہارنے کی وجوہات تلاش کر کے ان کو بہتر بنانے میں مصروف ہیں۔ جن قائدین نے جماعت کی قیادت چھوڑی ہے ان کی جگہ نئی قیادت کے لیے کسی وصیت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ انتخابات ہونے سے قبل، نہ ہی انتخابات کے دوران، اور نہ ہی انتخابات کے بعد کوئی شور شرابہ۔ سب کچھ امن وشانتی سے ہوا۔ وطن عزیز میں انتخابات بھی شادی کی طرح منانے کا رواج ہے، جس میں بے پناہ فضول خرچی کی جاتی ہے۔ آدھی ٹرم پوری ہوگئی مگر آج بھی ہم اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ منظم دھاندلی ہوئی کہ نہیں۔ جن انتخابات کو اس وقت کے صدر مملکت سمیت تمام سیاسی جماعتوں نے دھاندلی زدہ قرار دیا ہو تو اس میں ''منظم یا غیر منظم'' ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟

اگر برطانیہ کی طرح وطن عزیز میں بھی بذریعہ ڈاک ووٹ ڈالنے کی سہولت دی جائے، بغیر قومی شناختی کارڈ اور پولنگ کارڈ کے پولنگ سٹیشن میں داخل ہو کر صرف اپنے گھر کا نمبر اور گلی یا سڑک کا نام بتا کر ووٹ ڈالنے کی اجازت دی جائے تو ہمارے انتخابی عمل کی شفافیت کا کیا حال ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونمبری میں پہلی درجے پر فائز ہیں اور اگر وطن عزیز میں امریکہ کی طرز کا بائیومیٹرک سسٹم بھی انتخابی عمل میں متعارف کروا دیا جائے تو اس میں بھی ہم دونمبری کا راستہ ڈھونڈ لیں گے۔ ہم اپنی ذات کیلئے جیتنا چاہتے ہیں اور ہر حال میں صرف جیت دیکھنے کے خواہش مند ہیں، ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ ہماری جیت سے اگر ملک ہارتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟ پاکستانی انتخابات پر سب سے پہلے اُس وقت کے صدر آصف علی زرداری نے کہا تھا کہ یہ آر۔اوز کا الیکشن تھا۔ اب آر۔اوز چونکہ سابق جج تھے سو اگر انہوں نے دھاندلی نہیں بھی کی اور صرف بے ضابطگیاں ہوئی ہیں تو پھر آپ اندازا لگا سکتے ہیں کہ جس ملک کے ریٹائرڈ جج ایک دن کا الیکشن کروانے کی صلاحیت نہیں رکھتے انہوں نے اپنی طویل سرکاری زندگی میں کیا گل کھلائے ہوں گے۔ آیئے اور اُن کی قسمت کا ماتم کریں جو اِن آر۔اوز کی عدالتوں میں اُس وقت پیش ہوتے رہے ہیں جب یہ جج صاحبان تھے۔ اگر عمران خان مطالبہ کرتا ہے کہ الیکشن دوبارہ ہونے چاہیں کیونکہ آر۔اوز نے دھاندلی کی ہے یا بے ضابطگیاں ہوئی ہیں تو پھر اُسے یہ مطالبہ بھی کرنا چاہیے کہ اُن تمام فیصلوں کو بھی ازسرنو

عدالتوں میں بھیجا جانا چاہیے جو یہ جج صاحبان کر چکے ہیں مگر عمران خان ایسا کوئی مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ اُس کا تعلق صرف اپنے مینڈیٹ سے ہے اُس عوام سے نہیں جس نے یہ مینڈیٹ دیا ہے۔ برطانیہ میں زندگی کے ان گنت سال گزارنے کے باوجود عمران خان نے اس نظام سے کچھ نہیں سیکھا' وہ برطانوی نظام کی مثالیں دیتا ہے لیکن جن لوگوں سے مل کر اُس نے اپنی ''انقلابی'' جماعت کی بنیاد رکھی تھی وہ تو کب سے اپنی دکان بڑھا چکے۔ ابھی کل ایس۔ اے بابر جو تحریک انصاف کا انتہائی تعلیم یافتہ مرکزی سیکرٹری اطلاعات تھا نہ جانے کون کون سے راز سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ برطانیہ میں سیاستدان ہوتے ہیں' جہانگیر ترین' اسد عمر' شاہ محمود قریشی' پرویز خٹک' سیف اللہ نیازی' اعجاز چوہدری' ڈاکٹر یاسمین راشد اور عندلیب عباس نہیں ہوتے تو اپنی ہی پارٹی کا فنڈ ہڑپ کر کے پھر بھی پارٹی میں ہی رہتے ہیں۔ افسوس! کے تعلیم یافتہ عمران اتنی سی بات نہیں سمجھ پا رہا کہ کرپٹ چہروں کے ساتھ حکومت تو بن سکتی ہے لیکن برطانیہ جیسا نظام یا کوئی انقلاب نہیں آ سکتا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

sohailloun@gmail.com

09-05-2015